جیسے بر سرِ منبر نہ کہہ سکا واعظ
وہ بات اہلِ جنون زیرِ دار کہتے ہیں

خطبۂ صدارت

منجانب :-

فخرِ کشمیر مرزا محمد افضل بیگ صدر

آل جموں و کشمیر محاذِ رائے شماری

برائے

سالانہ اجلاس جموں و کشمیر محاذ رائے شماری

منعقدہ ۵-۶-۷ جولائی ۱۹۷۴ء

بمقام مجاہد منزل ۔ سرینگر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرات مندوبین :-

آج پورے دس سال کے بعد جماعت کے سالا
اجلاس میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ آپ کی اس بے لو
اور پُر خلوص عقیدت اور محبت کا ممنون ہوں جس کا ثبوت آپ نے
مجھے صدارت کے عہدے پر متفقہ طور منتخب کرکے دیا۔ میں ا
کوتاہیوں اور کمزوریوں کا پورا پورا احساس رکھتا ہوں۔ اور ا
احساس کے پیش نظر میں نے درخواست کی تھی کہ صدارت کے جلیلہ
عہدے کے لئے مجھے نہیں، کسی اور بہتر رفیق کو منتخب کیا جا
مگر آپ کے بار بار اصرار کے بعد مجھے خیال ہوا کہ مجھ پر کہیں ذمہ دا
سے گریز کرنے کا الزام نہ آئے۔ یا میرے انکار کو آپ کی پُرخلو
محبت اور عقیدت کی ناقدردانی سے تعبیر نہ کیا جائے۔ اس لئے

قائم رکھنے کیلئے اُن کے پاس یہی واحد راستہ ہے۔ انتخابات
چاہے پنچایتوں کے ہوں، کوآپریٹیوز یا اسمبلی کے ہوں برسرِ اقتدار
پارٹی کی طرف سے یہی تگڑم باز سرگرم عمل رہتے ہیں سرکاری
اصطلاح میں ان کو "فنکار" کہتے ہیں۔

مگر ہم بھی سخت جان تھے ۱۹۷۲ئہ میں ہم نے اعلان کیا
کہ ۱۹۷۲ئہ میں ہونے والے عام انتخاب میں محاذ رائے شماری حصہ
لے گا۔ سرکاری حلقوں سے گھناونا پروپگنڈا کیا گیا۔ کہ ہم آئینِ ہند
کی وفاداری کا حلف کیوں کرلیں گے۔ منشاء یہ تھا کہ اس سیاسی
شعبدہ بازی سے محاذ انتخاب کے میدان سے ہٹ جائے۔ اور
سرکاری جماعت کیلئے میدان صاف رہے۔ مفاد خصوصی بحال
رہے۔ اور لوٹ کھسوٹ جاری رہے۔ مگر شیر کشمیر کی قیادت میں
یہاں کے عوام نے کمر ہمت باندھ لی کہ وہ مفاد خصوصی کو ختم کرنے
کیلئے سب کچھ کر گزریں گے۔ ریاست میں انتخابات میں حصہ لینے
کے فیصلہ کو عوام نے والہانہ طور خوش آمدید کہا۔ اور بے مثال
اجتماعات میں اس فیصلہ کی تائید کی گئی۔ ریاستی ارباب اقتدار
دوڑتے اور بھاگتے دہلی پہنچے کیونکہ انتخابات کے مقابلے میں انکو
اپنی سیاسی موت نظر آرہی تھی تاکہ مرکز سے کچھ نسخہ حاصل کریں

جسکے طفیل وہ مرتے مرتے بچ سکیں۔ چنانچہ شیر کشمیر راقم الحروف
اور ہمارے سابقہ جنرل سیکرٹری کو ریاست بدر کیا گیا۔

۱۲ جنوری ۱۹۷۱ئہ کو آل جموں و کشمیر محاذ رائے شماری کو دو
برس کیلئے خلاف قانون جماعت قرار دیا گیا۔ اور اس کے لاکھوں
اراکین کو انتخابات کیلئے نااہل قرار دیا گیا۔ اس طرح سے ۱۹۷۲ئہ
کے عام انتخابات سرکاری پارٹی نے اپنے لئے محفوظ کر لئے۔
جنوری ۱۹۷۱ئہ میں اس نئے "جرم" کی پاداش میں محاذ رائے شماری
کے چھوٹے بڑے تقریباً تین ہزار اراکین کو انسدادی نظر بندی
کے وحشیانہ قانون کے تحت جیلوں میں ٹھونس دیا گیا۔ اور
کٹھوعہ سے سرینگر تک تمام جیل کھچا کھچ بھر دئے گئے۔ ہمارے
دیہاتی کارکن تک زندان سے نہ بچ سکے۔ لوگل برستان کی
چوٹیوں، پہلیس، کشتواڑ کی وادیوں اور گول گلاب گڑھ کی گھاٹیوں
سے چن چن کر محاذ کے اراکین زندان میں ڈالے گئے۔ کیا یہی جمہوریت
ہے کہ ایسے شرمناک ہتھکنڈوں کے مظاہرہ سے ۱۹۷۲ئہ کے
عام انتخابات کا ڈھونگ رچایا گیا۔ انتخاب سے پہلے سیکورٹی
آف سٹیٹ خطرے میں تھی اور جب محاذ رائے شماری کو میدان
انتخاب سے ہٹایا گیا۔ اور انتخابات اطمینان سے اپنے حق میں

اگر کوئی قابل قبول تبدیلی اسمیں نہیں آسکتی تب تفصیلات میں جانا بے فائدہ ہے۔ لیکن اگر ایک آبرومندانہ اور عوام کیلئے قابل قبول حل مرکزی حکومت پیش کرنے کیلئے تیار رہے۔ تب مذاکرات کے راستے پر ہمیں آگے بڑھنا چاہئے۔ تاکہ کوئی باعزت صورت نکل آئے جو شیر کشمیر عوام کے سامنے پیش کر کے اس کی تائید حاصل کر سکیں۔ میں یہاں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ابتدا سے ہی فریقین کے ذہن میں یہ بات صاف تھی کہ اس مسئلے کا ایسا حل تلاش کیا جائے جسکی تائید عوام کی اکثریت کرے۔ ورنہ مذاکرات کی کوشش رائگان جائیگی۔ بہرحال معاملہ اسی مرحلے پر ہے۔ یہ درست ہے کہ وزیراعظم کی یہ خواہش ہے کہ کوئی قابلِ قبول حل نکل آئے۔ اور وہ اس کوشش میں ہیں جیسا کہ آثار سے معلوم ہوتا ہے۔ بلاشبہ انکو کچھ دقتیں پیش ہونگی۔ مگر ہماری اور شیر کشمیر کی مشکلات کچھ کم نہیں ہیں۔ انہیں ریاست کے عوام کو ساتھ چلانا ہے جو آج تک نہ صرف آلام و مصائب کے شکار ہیں۔ صاف و پاک ایڈمنسٹریشن سے محروم ہیں۔ بلکہ جمہوریت اور انسانی قدروں کے فقدان سے دوچار ہو کر ایک تاریک مستقبل کا سامنا کر رہے ہیں

اسلئے حل تلاش کرنے ہیں اگر توازن ریاستی عوام کی طرف رہے تو انصاف اور انسانی اصولوں کی قدر دانی ہوگی اس کے علاوہ ہر ایک مرحلہ پہ پاکستان کی رائے معلوم کرنا بھی لازم ہے تاکہ کوئی بھی تنازعہ یا اختلاف باقی نہ رہے۔ بہرحال ہم کوشش جاری رکھیں گے اور شیر کشمیر کی راہنمائی میں ہمت و استقلال و خلوص سے اس منزل کی تلاش کرتے رہیں گے۔ جو ملک و ملت اور ریاستی عوام کے لئے آبرومندانہ ہو۔

حضرات!

۱۹۴۷ء میں شیر کشمیر اور ہندوستان کے رہنماؤں میں معاہدہ ہوا تھا کہ کشمیر کو ایک خصوصی مقام دیا جائے گا۔ جس میں مرکز کو سونپے ہوئے امور (ڈیفینس، فارن آفیرس اور رسل و رسائل) کو چھوڑ کر دیگر امور میں ریاست کو مکمل اندرونی خودمختاری حاصل ہوگی۔ چنانچہ اسی مقصد کے پیش نظر دستور ہند کی دفعہ نمبر ۳۷۰ وضع کی گئی۔ صرف ریاست کو ہی آئین ساز اسمبلی دی گئی۔ (جو کہ ہند کی کسی اور ریاست کو حاصل نہ تھی) ہماری دستور ساز اسمبلی کو مکمل اختیار تھا کہ وہ ریاست میں ایسا آئین مرتب کرے جو کہ یہاں کے عوام کی

دستور کے قائل رہے ہیں۔ کہ بجز چند امور کے، جو ریاستی مرکز
کے تابع ہوں۔ ہر یونٹ اپنے مقامی معاملات خود سنبھالے اور
ان کا انتظام و اہتمام کرنے کا مجاز ہو۔ تاکہ ہر یونٹ اور ریاستی
عوام کا ہر فرد ملکی اور قومی معاملات میں خود کو برابر کا شریک
سمجھ کر اپنی اپنی ذمہ داری بطریق احسن انجام دے سکے۔

اس وقت ریاستی عوام گوناگون
مسائل و مشکلات سے دوچار ہیں۔ بیکاری، بے روزگاری،
گراں بازاری۔ رشوت ستانی۔ اشیاء خوردنی میں ملاوٹ وغیرہ
گھن کی طرح عوام کی زندگی کو کھائے جا رہے ہیں۔ نچلے طبقے کے
لوگوں کیلئے زندگی دوبھر ہو گئی ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اگر
فوری انسداد نہ کیا گیا تو حالات خطرناک رخ اختیار کریں گے
آج تک حکومت اس بارے میں قریب قریب ناکام رہی ہے
اکثر غفلت مجرمانہ کی مرتکب ہوتی ہے۔ ہم عوام سے بھی اپیل
کرتے ہیں کہ ان امراض کی روک تھام کے لئے متحد و متحرک
ہو جائیں اور ہر اس مجرمانہ حرکت کی سرکوبی کریں جو کہ ایسے
سوشل امراض کو تقویت دیتی ہو۔ اپنے کردار پر بھی کڑی نگرانی

رکھیں اور اس امر کا خیال رکھیں کہ دانستہ یا نادانستہ
ہم ایسا کوئی عمل نہ کر پائیں جسے عوام دشمنی سے تعبیر کیا جائے۔
حضرات! اس تاریخی موقعہ پر ہم جنگ بندی لائن کے اس پار
اپنے پندرہ لاکھ ہم وطن بھائیوں کو فراموش نہیں کر سکتے۔ یہ انتہائی
غیر اخلاقی اور ناقابل تسلیم جغرافیائی اعتبار سے آزاد کشمیر
ریاست کا جزو لاینفک ہے۔ ۱۹۴۷ء کی ریاست کا نقشہ
کوہالہ سے گلگت اور کھٹوعہ تک پھیلا ہوا ہے۔ سیاسی مصلحت
کے پیش نظر ریاست کو تقسیم کرنا قابل مذمت ہے۔ میں پھر
آنجہانی پنڈت جواہر لعل نہرو کے وعدہ کو یاد دلاتا ہوں۔
کہ کشمیری عوام بھیڑ بکریاں نہیں، انسان ہیں اور امنگوں کے
مالک ہیں اُن کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی تقسیم کا تذکرہ
قرون وسطیٰ کی وحشیانہ روایات کی یاد تازہ کرتا ہے۔ بیسویں
صدی میں ایسی حرکتیں انسانی اور اخلاقی اقدار کشی کے مترادف
ہیں۔ ہم پُرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمارے پندرہ لاکھ بھائیوں
کو اپنی قسمت کا خود فیصلہ کرنے کا وہی موقعہ دیا جائے جس کا
مطالبہ ہم اپنے لئے کرتے ہیں۔ جنگ بندی لائن ایک مصنوعی
لکیر ہے جس نے ایک بدن کو دو ٹکڑوں میں کاٹا ہے۔ دونوں

نظریات اوجھل ہو رہے ہیں اور وہ اخوت کی تعلیم جس کی بنیاد
پر پاکستان قائم ہوا نظر انداز کی جا رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا
ہے کہ جو لوگ "پاکستان زندہ باد" کے نعرے بلند کرتے ہیں
اُن ہی میں وہ عناصر بھی ملتے ہیں جن کا عمل پاکستان کو
ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا ذمہ دار ہے۔ کیا اُن کو بانی پاکستان
کا وہ تواریخی خطبہ بھول گیا ہے جو کہ موصوف نے پاکستان
آئین ساز اسمبلی میں دیا تھا۔ " بنانے پاکستان کے بعد
آپ فرقہ وارانہ امتیاز سے بالاتر رہیں۔ آپ پاکستان کے
شہری اور یکساں حقوق کے حامل ہیں۔ اپنی جگہ آپ بحیثیت
مسلمان، ہندو، اور عیسائی ہیں۔ اور اپنی مذہبی روایات
کے مطابق زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ لیکن پاکستان کے اندر
آپ "ہمہ وجہ شہری" ہیں۔" ہم تو یہی دعا کر سکتے ہیں کہ
ذات باری ہمیں متحد اور متفق رہنے اور ملک و ملت کی
تعمیر و ترقی میں سرگرم عمل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہم کو یاد رکھنا چاہئے کہ ہندوستان اور پاکستان
کی خوشحالی میں ہی کشمیر کی خوشحالی مضمر ہے۔ ہماری ریاست
کا محل وقوع ایسا ہے کہ ایک ملک کی بدحالی نہ صرف دوسرے

[illegible] ہوگی بلکہ [illegible]
ملک میں بے چینی کا باعث ہوگی بلکہ ہندوستان اور پاکستان میں دو
سے محروم کر دے گی۔ ہندوستان اور پاکستان اور خوشحالی کی کفالت ہے۔
اور پائیدار امن برصغیر کے امن اور زندگی بسر کر سکتے
اور اسی صورت میں اہل ریاست پُرامن زندگی بسر کر سکتے
ہیں۔ دونوں ملکوں کے درمیان برادرانہ تعلقات پر ریاست کی
بقاء کا انحصار ہے۔ اسی نظریہ سے برصغیر کے پُرامن تعلقات
میں ہمارا VESTED INTEREST یعنی خصوصی مفاد
ہے۔ لہذا ہم سب کا متفقہ فرض ہے کہ کسی ایسی حرکت کی
حمایت نہ کریں جو ان دو ملکوں میں کشیدگی کا باعث بنے
ہندوستان اور پاکستان میں باہمی خوشگوار تعلقات
بحال کرنے اور قائم رکھنے میں ہم کو ہر وقت تن دہی سے
سرگرم عمل رہنا چاہئے۔ دوستانہ تعلقات ہی فراہمی اسلحہ
کی تباہ کن دوڑ سے بچا سکتا ہے۔ اور کروڑوں مفلس عوام
کی زندگی بہتر بنانے کیلئے سرمایہ اور ذرائع بہم کیا جاسکتا
ہے۔

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ شیر کشمیر کی قیادت میں ہم نے
فرقہ وارانہ اتحاد کی قابل فخر مثال ریاست میں قائم کی ہے

دورِ جدید کے لئے ایک عبرت ناک یادگار بنی رہے گی۔ یہ اطمینان
بخش صورت ضرور ہے۔ کہ محاذ آزادیٔ فلسطین اور دیگر
آزادی پسند تنظیموں نے مظلوموں کے سوال کو زندہ رکھکر واضح کر دیا
کہ جب تک فلسطینیوں کی جائز اُمنگوں کو پورا نہ کیا جائے تب
تک وہ کسی تصفیہ کی حمایت نہیں کر سکتے۔ ہم جانتے ہیں اس جائز
اور انسانی مطالبہ کو پورا کرنے کا اگر امریکہ خواہشمند ہو تو مؤثر رول
ادا کر سکتا ہے۔ کشمیر میں ہم سالہا سال سے ایسے ہی جذبات کے
حق میں آواز اُٹھاتے رہے ہیں۔ اور اُجڑے ہوئے فلسطینیوں
کی اخلاقی حمایت میں ہر وقت پیشقدمی کرتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ
اُن کو کامیابی اور کامرانی نصیب کرے۔

بحیرۂ ہند میں ڈیگو گارشیا جزائر فوجی اشتعال کا اڈہ بن گئے
ہیں۔ ممکن ہے کہ بڑی طاقتیں ایک دوسرے کے بالمقابل کارروائی
کریں۔ اور ڈیگو گارشیا سے جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھیں ظاہر
ہے کہ جدید جنگ انسانیت اور تمام انسانی قدروں کے لئے
ہی نہیں بلکہ تہذیب اور معاشرہ کے لئے مکمل بربادی کا
باعث بن جائے گی۔ اس تصور سے ہی لرزہ پیدا ہوتا ہے

رائے عامہ اس کے لئے متحرک اور متحد کرنی چاہیئے۔

برادران عزیز!

مرحوم دوستوں کی یاد کے بغیر میں اس خطبہ کو ختم نہیں کر سکتا جو ۱۹۴۷ء سے لیکر آج تک آزاد کشمیر یا پاکستان میں واصل بحق ہوئے اور غریب الوطنی میں جنہوں نے دم توڑا۔ ان میں پیر محمد مقبول صاحب گیلانی۔ مولانا محمد یوسف شاہ صاحب میر واعظ۔ چودھری غلام عباس خان صاحب۔ خواجہ غلام نبی صاحب گلکار وغیرہ ہیں۔ یہ مجاہدین آزادی تھے۔ یہی آرزو لیکر اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ کہ ان کی میت اپنے وطن میں سپرد خاک ہو۔ افسوس کہ ہم اُن کی یہ تمنا بھی پوری نہ کر سکے۔ خدا ان کی مغفرت فرمائے۔ کاش ہندوستان اور پاکستان ریاست کے پس ماندہ باشندوں کو وطن واپس لوٹنے کی اجازت دے دیں۔ یہ ایک انسانی مطالبہ ہے اور انسانی اپروچ، سیاسی مصلحتوں سے بالاتر ہو کر ہماری اس عاجزانہ التماس پر غور ہو سکتا ہے۔

مجھے اس وقت ان مجاہدین آزادی کی یاد بھی تڑپاتی ہے جو آخری دم تک دوش بدوش ہمارے ساتھ مصائب

وآلام میں شریک رہے اور وطن کی عزت کے لئے لڑتے رہے جن میں پیر محمد مقبول صاحب بلگامی، سید علاؤالدین صاحب ماسٹر دلی ملک وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو غریق رحمت کرے۔ انہوں نے قوم کی خاطر مصائب جھیلے غربت اور ناداری کو برداشت کیا۔ دولت کی تمنا کو ٹھکرایا۔ مگر باطل کے سامنے گھٹنے ٹیکنے سے ہمیشہ انکار کیا۔ خدائے برتر انہیں اجر عظیم عطا کرے۔ آمین۔

میں اُن نوجوانوں اور طلباء کا مشکور ہوں جنہوں نے علی الخصوص ابتلاء کے زمانہ میں ہمارا ساتھ دیا اور اس اتحاد عمل کی پاداش میں زنداں کی مصیبتیں برداشت کیں۔ خدائے برتر انہیں عمر دراز عطا کرے اور اپنے نیک مقاصد میں کامیاب و کامران کرے۔

اس خطبہ میں ہر اہم امر کی وضاحت کرتے ہوئے میں نے ہر جگہ محاذ رائے شماری کیلئے کارروائی کی لائن تجویز کی ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں اور آپ دوستوں سے مطالبہ کرتا ہوں کہ اپنے اپنے علاقوں میں عوام کو اُن سے آگاہ کریں۔ اور بتائی لائین پر متحد اور متفق رہیں۔

مصائب و آلام برابر نازل ہیں۔ ایسے قوانین کے نفاذ سے یہاں کے
عوام پر سنگینوں سے حکومت کرنا مقصود ہے۔

• ریاست میں طالب علموں اور نوجوانوں کا
مسئلہ بھی پریشان کن ہے اور پیچیدگیاں اختیار کرتا جاتا ہے
میں نے ١٩٥٣ء کے بعد برسر اقتدار آئے ہوئے "رہنماؤں"
سے بار بار کہا تھا کہ یہ مسئلہ پوچھ گچھ مراکز، جیلوں اور زندانوں
میں حل نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ طریقے نو آبادیاتی نظاموں کی
وراثت ہیں۔ نئے تقاضوں اور نئی آب و ہوا میں ایسے طریقوں
کو خیر باد کہنا اور ایک ہمدردانہ نفسیاتی طریقہ اپنانا چاہیئے
طالب علموں کے مسائل کو سمجھنا چاہیئے۔ طالب علم تعلیم سے
فارغ ہونے کے بعد اپنے مستقبل کو تاریک دیکھتے ہیں۔ سوسائٹی
میں اپنا صحت مندانہ مقام نہیں پاتے اور زندگی کے میدان
میں اپنے لیے کسی تعمیری رول کی جگہ نہیں دیکھتے۔ آپ اُن پر
خود ساختہ مقدمہ چلاتے ہیں۔ جیل کی کوٹھریوں میں ٹھونستے
ہیں اور انٹروگیشن سنٹروں میں ناقابل بیان عذاب و آلام
کا ہدف بناتے ہیں۔ یہ عمل ایک معصوم طالب علم کو

HARDENED CREMIN (عادی مجرم)
بنائے گا۔ ایسی حرکت نسل کشی سے کم نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جو
طلباء آلام کے شکار ہوتے ہیں ان میں اکثر محب الوطن ہیں۔ ان کے
ایسے جذبے کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے۔ استادوں کو ایسی
حرکت سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ جس سے تعلیمی اداروں میں
پارٹی بازی اور تفرقہ بازی کو تقویت ملے۔
یونیورسٹی اور کالجوں میں پارٹی بازی یا سیاسی اغراض
کے پیش نظر طلباء میں مراعات تقسیم نہیں ہونا چاہئیں۔ نصاب
تعلیم ایسا ہو کہ تحصیل علم و تربیت کے بعد ایک طالب علم بیرونی دنیا
میں اپنے آپ کو ایک مفید و موثر رول ادا کرنے کے قابل پائے۔
غرض طلباء کے تمام مسائل کے ساتھ مشفقانہ اور پدرانہ اپروچ
ہونا چاہیئے۔ تاکہ وہ انسان بنیں اور بگڑنے نہ پائیں۔ علاج
نفسیاتی ہے تعزیری نہیں۔ میں تو یہ عرضداشت کروں گا
کہ اُن کے خلاف تمام مقدمات واپس لئے جائیں اور نظر بندوں
کو رہا کیا جائے۔ اور اس بارے میں ایک نیا باب کھولا جائے
تاکہ ایک صحت مند سوسائٹی کی بنیاد قائم ہو سکے۔
حضرات سامعین! ابتداء سے ہم ہی ریاست میں ایسے

ٹکڑے تڑپ رہے ہیں۔ اس منحوس لائن نے بھائی کو بھائی اور
والدین کو اولاد سے جدا کر رکھا ہے۔ اور کنبوں کو تقسیم کر دیا ہے
ہم پر زور مطالبہ کرتے ہیں کہ اس مسئلہ کا فوری طور پر امن طریقہ
سے حل نکالا جائے۔ جنگ بندی لائن نے ریاست کو تقسیم
کرکے ہمارے لئے اقتصادی مسائل بھی پیدا کئے ہیں۔ یہ لائن
تو فوجی نقل و حرکت پر پابندی عائد کرنے کے لئے قائم کی گئی
تھی۔ لیکن عملاً اس نے سول نقل و حرکت بھی مسدود کر رکھی ہے
اور ہماری تجارت کو تباہ و برباد اور آمد و رفت کو مسدود
کر دیا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان دونوں دعویٰ کرتے
ہیں کہ اُن کو ریاست کی فلاح و بہبود مقصود ہے اس بنا پر
بھی ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ محض انسانی قدروں کے پیش نظر
سرینگر پنڈی اور جموں سیالکوٹ کی شاہراہیں سول آمد و
رفت اور تجارت کیلئے کھول دی جائیں۔ دونوں طرف تحفظی
اقدامات کئے جانے پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

دنیا میں جہاں کوئی ملک گذشتہ جنگ عظیم کے بعد
تقسیم ہوا ہے۔ ہندوستان نے دو ٹکڑوں کو ملانے کے حق میں
ہمیشہ آواز بلند کی مگر اپنے ہی گھر میں ایسی غیر انسانی تقسیم کا

کیا جواز ہو سکتا ہے ؟

محترم ساتھیو! ہندوستان میں حالیہ فرقہ وارانہ فساد کشمیری عوام کیلئے
گہری تشویش کا باعث بن رہا ہے۔ صدر بازار دہلی کے دلخراش
تصادم نے زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا ہے معلوم ہوا ہے کہ
اقلیت کے ساتھ وہی وحشیانہ سلوک کیا گیا۔ پورے ملک میں
بار بار جس کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ عام اس کے کہ فرقہ وارانہ
فساد قابل مذمت اور نا قابل عفو ہے۔ ارباب اقتدار خود تصور
کر سکتے ہیں کہ ایسی حرکات کا اثر کشمیری عوام پر کیا ہوگا۔
ہم ایک نازک دور سے گذر رہے ہیں اور فرقہ وارانہ کشیدگی
اور تصادم شدید ہو رہے ہیں اور خطرناک نتائج پیدا کر سکتا
ہے۔ یہ لازمی اور نا قابل گریز امر ہے اور ہم پر زور مطالبہ
کرتے ہیں کہ حکومت ہند ایسے انسانیت سوز جرائم کی قوت
سے سرکوبی کرے۔

دوستو! پاکستان کے اندرونی حالات بہت ہی دردناک
ہیں۔ میں معذرت سے اُن پر رائے زنی کرتا ہوں کہ کتنی
بدقسمتی ہے کہ وہاں فرقہ وارانہ کشیدگی بہت نازک صورت
اختیار کر گئی ہے۔ صوبائی تعصب بڑھتا جا رہا ہے۔ قومی

ہمارے ان اقدامات کی چوٹ مفاد خصوصی پر پڑی انہوں نے ریاست کے اندر اور ریاست کے باہر گٹھ جوڑ کر کے شیر کشمیر اور ہمارے خلاف سازش کی۔ ہماری صفوں کے اندر کے سیاسی طالع آزما اُن سے جا ملے اور ۹ اگست ۱۹۵۳ء کا خونی ڈراما کھیلا گیا۔

حضرات!

اِن سطور سے آپ پر واضح ہو گیا ہوگا کہ چند طالع آزما سوشلزم اور سیکولرازم کا درس ہم کو دیتے ہیں اور یہ کہنے سے بھی نہیں شرماتے۔ کہ شیر کشمیر نے اِن اقدار کی طرف پھر سے رجوع کیا۔ اِن اقدار کو جنہوں نے ملیا میٹ کر دیا وہی آج ان کا سبق ہم کو پڑھا رہے ہیں۔ آج بھی نظر بندی کے قانون کو توسیع دی جاتی ہے۔ جس کے شکار گذشتہ بیس برس سے ہم اور لاتعداد نوجوان طالب علم رہے ہیں۔ رونگٹے کھڑے کرنے والے انسانیت سوز مصائب و آلام اور ناقابل بیان تشدد کا شکار ان کو انٹروگیشن سنٹروں میں کیا جا رہا ہے۔ اور اُن کو بیان کرتے ہوئے بھی ہم کو شرم آتی ہے۔ یہ جبر و استبداد کا سلسلہ حماذ کے عوام اور نوجوان طلباء پر آج بھی بیدردی سے جاری ہے اور ہم سوچ رہے ہیں کہ اس تاریک رات کا انجام کیا ہوگا؟

ریاست پر اس وقت ایسے کالے قوانین کے سہارے حکومت کی جا رہی ہے جن سے یہاں کے عوام ادنیٰ انسانی حقوق سے محروم ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے :-

(۱) انٹرنل کنٹرول موومینٹ آرڈر
(۲) پریونٹیو ڈٹینشن ایکٹ
(۳) انیمی ایجنٹس آرڈیننس
(۴) ڈیفنس آف انڈیا رولز
(۵) پبلک سیکورٹی ایکٹ

وغیرہ۔ مجھے یقین ہے کہ اگر جمہوری قدروں کا کوئی احترام ہوتا تب آسانی سے ان قوانین کو منسوخ کر کے عام قانون سے حالات نمٹا جاتا۔ اور کشمیری عوام کو قدرے آسانی سے سانس لینے کی اجازت ہوتی۔ تعجب یہ ہے کہ ایک طرف سے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ کشمیر ہندوستان کا "اٹوٹ انگ" ہے۔ اور دوسری طرف انہی عوام کے ساتھ یہ اخلاق سوز سلوک اور شرمناک امتیاز برتا جاتا ہے۔ ہندوستان کے کروڑوں عوام ان آفات سے آزاد ہیں۔ لیکن کشمیر کے بد نصیب لوگوں پر

نیا باب

معزز سامعین!

ہماری جلاوطنی کے آخری ایام (مئی ۱۹۷۲ء) میں
شیر کشمیر آل انڈیا میڈیکل انسٹیٹوٹ میں زیر علاج تھے انہیں
وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے ملاقات کی دعوت دی۔
اس ملاقات کے دوران مؤخر الذکر نے ظاہر کیا۔ کہ کشمیر کے
معاملہ میں وہ "نیا باب" کھولنا چاہتی ہیں۔ وہ محسوس کرتی ہیں
کہ تشدد، قید و بند اور ظلم و بربریت سے کشمیر کا مسئلہ
سلجھنے کی بجائے الجھتا ہی گیا۔ ریاستی عوام نزدیک آنے کی
بجائے دور ہوتے ہی گئے۔ انہوں نے ہندوستانی عوام سے
اس حقیقت کا اظہار کیا تھا کہ "عقائد اور نظریات کو تشدد سے
تبدیل نہیں کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا کشمیر کے سلسلہ میں بھی افہام
و تفہیم اور مذاکرات کا راستہ تلاش کیا جائے۔ اور فریقین
کے اختلافات معین کئے جائیں۔ بات چیت سے ایک دوسرے
کے قریب آکر اس مسئلہ کو سلجھایا جائے۔ شیر کشمیر کا جواب فطری
تھا۔ انہوں نے اس خواہش پر لبیک کہا۔ کہ ہم ہمیشہ سے
افہام و تفہیم کو بہتر راستہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ وزیر اعظم
نے حکومت کی جانب سے اپنے ایک مدبر ساتھی شری پارتھا
سارتھی (جو مسئلہ کشمیر کے ساتھ مختلف حیثیت سے وابستہ
رہے ہیں) کو نامزد کیا۔ اور شیر کشمیر نے راقم (مرزا محمد افضل بیگ
) کو اپنی جانب سے مقرر کیا۔ تاکہ ہندوستان اور
ریاست کے درمیان آئینی رشتہ کا جائزہ لیا جائے۔
اس کے بعد مختلف اوقات یہ رشتے کی تفصیلی جانچ کی گئی۔
میں نے شیر کشمیر کے نقطۂ خیال کے پیش نظر اختلافی امور بمقابل
کے سامنے رکھے...... یونین الیکشن کمیشن کے اختیارات
کا نفاذ۔ سپریم کورٹ کا دائرہ سماعت، سٹیٹ سبجکٹس کے
حقوق وغیرہ امور زیر غور آئے۔ ۱۹۵۳ء کے بعد ریاست پر
لاگو کئے گئے قوانین پر ایک سرسری نگاہ ڈالی گئی۔ اور پارلیمنٹ
کے قوانین لاگو کرنے کا سوال اور اُن کے جواز کو بھی واضح کر دیا
گیا۔ چونکہ یہ گفتگو طوالت پکڑتی گئی۔ لہٰذا محسوس کیا گیا کہ
اولاً پولٹیکل پہلو کا جائزہ لیا جائے تاکہ دیکھا جائے کہ حکومت
ہند ہمارے پولٹیکل موقف کی طرف کس حد تک جانے کو تیار ہے

رکھا گیا - اور انتخابات کے ڈھونگ رچائے گئے۔ ۱۹۷۲ء میں
ایک کالا قانون پاس کر کے محاذ کے چھوٹے بڑے اراکین کو
انتخاب کے لئے نااہل قرار دیا گیا۔ ہر انتخاب کی نسبت ہماری
ہی نہیں بلکہ ہمارے مخالفین .... معزز صحافیوں اور بین الاقوامی
مدبرین کی بھی غیر جانبدارانہ رائے ہے کہ کشمیر کے انتخابات
محض ڈھونگ تھے - اور ان فریب کارانہ طریقوں سے
منتخب ہوئی اسمبلی عوام کی نمائندہ نہیں۔ ستم بالائے ستم
یہ کہ ہم سے ہی مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ان کے پاس کردہ قوانین
کے سامنے جھکیں ۔ بے حیائی کی حد ہے۔

اقتصادی پروگرام کے سلسلہ میں ہم نے بارہا اعلان
کیا ہے کہ ہم سوشلزم کے معتقد ہیں اور معاشرتی نابرابری کو
حتی الامکان مٹا دینا چاہتے ہیں۔ ہم ایسے نظام کے قائل ہیں
جو زر دولت اور دولت کمانے کے ذرائع کو مرکوز (CONCENTRATE)
نہ کرے اور اقتصادی قوت ایسے ہاتھوں میں مجتمع نہ ہو جو لاکھوں
عوام ، مزدور اور محنت کش کسان و کاشتکار کے اوپر غالب
آکر اُن کو غلام بنائیں۔ اُن کو زندہ رہنے کے وسائل سے بھی
محروم کریں - اپنی محنت اور مزدوری کی کمائی بھی اُنکو حاصل

نہ ہو۔ اور اس محرومی کے ساتھ ساتھ یہ لاکھوں انسان اور
اُن کے بچے زمانے کی ترقی اور تعلیم و تربیت سے ہاتھ دھو بیٹھیں
اقتصادی غلامی کی لامنتہا زنجیروں میں نسل در نسل کیڑوں
مکوڑوں کی طرح زندگی گذاریں۔ ایسا ظالمانہ اور جابرانہ
نظام جمہوری طریقوں سے مٹا دینا ہم اپنا مقصد حیات
سمجھتے ہیں اور اس مقصد کے حصول کیلئے باشعور ، بامقصد
جمہوری منصوبہ بندی کو واحد ذریعہ سمجھتے ہیں۔ آپ کو یاد
ہوگا کہ ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۳ء تک شیر کشمیر کی قیادت میں
ہم نے خاتمہ چکلداری و جاگیرداری ، ظالمانہ سود خواری اور مرہونہ
جائیداد کی واگذاری کے قوانین پاس کر کے اُن کو روبہ عمل
لایا۔ یہ تواریخ کا ایک اَمٹ باب ہے۔ شیر کشمیر کے ساتھ ساتھ
محاذ کے چھوٹے بڑے کارکن جدوجہد آزادی میں ان اقدامات
کو افق پر روشن ترین آفتاب سمجھے اور سرگرم عمل رہے۔ آج
بھی ہمارا ایسا ہی اعتقاد ہے کہ نابرابری ختم کیجائے - اور چھوٹا
بڑا انسان قریب قریب مساوی حقوق ہر میدان میں حاصل
کرے۔ ہر شہری کو یہ یقین ہو کہ اُسے ترقی کے اعلیٰ ترین
زینہ پر پہنچنے کا امکان حاصل رہے ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۳ء تک

اور علی الخصوص نوجوانوں کی ابتری، بیکاری اور ہزاروں قسم کی بربادی کو دعوت دیں۔ یا رائے شماری کے ایک مخصوص طریق کار کی بجائے کوئی اور مؤثر ذریعہ تلاش کریں جس سے عوام کی رائے معلوم ہو۔ میں نے کہا ہے رائے شماری محض ایک ذریعہ ہے۔ پیش آمدہ حالات کے زیر نظر ایک طریق کار پر بضد رہنا میری رائے میں درست نہیں۔ قوموں کے راستے میں اگر ایک راہ میں ناقابلِ عبور رکاوٹ پیش آتی ہے تو منزل کی تلاش میں دوسرا راستہ تلاش کیا جاتا ہے۔ میری دانست میں لوگوں کی رائے کسی اور منصفانہ طریقہ سے بھی دریافت کی جا سکتی ہے تاکہ مسئلہ کشمیر کے اس ناسور کو حل کیا جائے۔ اور اس طرح قوم کو ہلاکت آمیز آلام سے نجات دلائی جا سکتی ہے۔ بہر حال یہ محض میری رائے ہے۔

۵ر فروری ۱۹۷۲ء کو بین الاقوامی اور ملکی حالات کا جائزہ لیکر میں نے اعلان کیا تھا کہ دفعہ نمبر ۳۷۰ کو معنوی اور لغوی اعتبار اور اسکے مضمرات کے تابع ہم جدید رشتے قائم کرنے پر خلوص اور نیک نیتی سے غور کرنے کیلئے تیار ہیں [illegible] سیکولرزم اور جمہوریت ہمارے پروگرام کی سنگ بنیاد رہیں۔ میں بلاخوف تردید کہتا ہوں محاذ کے اراکین یا ممبران اس راستے سے نہ بھٹکیں گے۔ ۱۹۵۳ء کے قتل جمہوریت کے بعد اور آشوب

آلام کے زمانہ میں بھی ہمارے پاؤں نہ ڈگمگائے۔ ہم چٹان کی طرح ان اقدار پر ڈٹے رہے۔ اور ہر مرحلہ اور ہر موقعہ پر فرقہ دارانہ نفرت کا سر کچلا۔ جب شیر کشمیر ہم سے ہزاروں میل دور نظر بند تھے۔ ہم نے فرقہ وارانہ فسادات کے دوران انہیں اطمینان دیا کہ اقلیت اکثریت کی مقدس امانت ہے اور اسکی حفاظت ہم اپنی جان سے کریں گے۔ چنانچہ بارہا ایسا ہی کیا گیا۔ آج بھی ہم فتنوں کی سلگتی ہوئی چنگاریوں پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ عدم فرقہ وارانہ اتحاد ہمارے اعتقادات میں شامل ہے یہ کوئی وقتی مصلحت نہیں بلکہ یہ ایمان کی بات ہے کہ ہر فرقہ کے لوگ ریاست میں باعزت شہریوں کی طرح امن و اطمینان سے رہیں۔ یہ عقیدہ محاذ رائے شماری کے آئین میں درج ہے۔

اسی طرح جمہوری قدریں اور ان کا ارتقاء و نشو و نما ہمارا جزو ایمان ہے۔ ہم تو "قتلِ جمہوریت" کے شکار ہیں اور فقدان جمہوریت کے شکنجے میں کسے گئے ہیں۔ جمہوری قدروں سے گریز کا الزام فریق ثانی پر عائد ہوتا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ۱۹۵۳ء کے بعد ۱۹۵۷ء، ۱۹۶۲ء اور ۱۹۷۲ء کے انتخابات میں شیر کشمیر اور محاذ کو دانستہ جیل کے سلاخوں کے پیچھے

امنگوں اور منشا کے مطابق ہو۔ مگر بدقسمتی یہ ہے کہ دفعہ ۳۷۰
کو رفتہ رفتہ کھوکھلا کیا گیا۔ اور ہندوستان میں ہوا کھڑا
کیا گیا۔ کہ یہ دفعہ محض ایک سرنگ ہے جس کے ذریعہ ریاست
کے اختیار و اقتدار کی بنیادیں کھوکھلی کی جاسکتی ہیں۔ یہ
عمل جاری رکھا گیا اور اس کے لئے ایسی اسمبلی کو استعمال کیا
گیا جس کے وجود اور حیثیت کا ذکر میں ابھی کرونگا۔ یہ اقدام
شیر کشمیر کو جیل میں رکھ کر محاذ رائے شماری کی قیادت کو پابند
سلاسل کر کے ہماری غیر حاضری میں اطمینان سے اٹھائے
گئے اور ریاست کو مدغم کرنے کا عمل بروئے کار لایا گیا۔
اگر ہم آج مطالبہ کریں کہ ۱۹۴۷ء کے معاہدہ اور دفعہ ۳۷۰
کے لوازمات بحال کئے جائیں تو یہ محض ایک اخلاقی تقاضا ہے
حالات کی مجبوریاں جو معاہدہ کرتے وقت پیش نظر رکھی
گئی تھیں۔ جنکو ہندوستانی نقطۂ نگاہ سے بھی نظر انداز
نہیں کیا جاسکتا۔ بین الاقوامی رائے کو فراموش کر کے ہم اپنے
تراشیدہ گوشے میں نہیں بیٹھ سکتے۔ اور اخلاقی اور آئینی
قدروں کو پس پشت نہیں ڈال سکتے۔ اور اہم بات یہ بھی ہے
کہ ایسے طریق کار سے ریاستی عوام کے ذہنوں پر کیا اثر پڑیگا

جن کو ہم منزل کی طرف اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔
آپ کو یاد ہوگا کہ پنڈت جواہر لعل نہرو نے ۱۹۴۷ء میں
سے ہی ہزار بار کہا کہ کشمیر کا مسئلہ تلوار اور بندوق سے طے نہیں
ہو سکتا۔ بلکہ رائے عامہ سے ہی اس کا فیصلہ ہوگا۔" وہاں کے لوگ
کوئی جانور نہیں، بھیڑ بکریاں نہیں۔ وہ انسان ہیں اور اپنے
جذبات اور امنگوں کے حامل ہیں۔ اور اپنے مستقبل کے مالک
ہیں۔ یہ تاریخ کے انمٹ الفاظ ہیں۔ اور یہاں کے عوام کے
حق خود ارادیت کی تعبیر ہیں۔ مگر اس مرحلہ پر ہم ایک اہم
سوال سے دوچار ہیں۔ پچیس برس سے رائے شماری کا وعدہ پورا
نہ ہوا۔ کسی نہ کسی دلدل میں پھنس کر رہ گیا۔ ایک یا دوسرے
ملک نے وقت پر روڑے اٹکائے۔ رفتہ رفتہ یو۔ این۔ او
بھی اس عہد سے سرکتی گئی۔ اور اس وقت وہ ایک بے جان سی حمایت
کے سوا کچھ نہیں کرتی۔ حالانکہ ہندوستان، پاکستان اور
سلامتی کونسل اس وعدے کے پابند ہو چکے تھے۔ ادھر اس
دوران ریاستی عوام گوناگوں مصائب میں مبتلا ہو رہے ہیں
سوال یہ ہے کہ کیا ہم ایفائے وعدہ تک (اگر ایفا ہو بھی) ہم
قوم کی قسمت کو لٹکائے رکھیں۔ مصائب و آلام لوٹ کھسوٹ

آپ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔

میں اس بے انتہا تعاون اور عقیدتمندی کا ممنون ہوں جو آپ سب نے اور محاذ رائے شماری کے لاکھوں عوام نے گذشتہ دس برس میں علی الخصوص دکھایا۔ یہی میرا سرمایہ ہے اور بجا طور پر اس انمول سرمایہ پر فخر کرتا ہوں۔

حضرات! محاذ رائے شماری کی ۱۹ سالہ تاریخ پر نظر ڈالتا ہوں۔ دراصل ۱۹۳۱ء کی تحریک حریت کے آغاز سے آج تک شیر کشمیر کی قیادت میں جو جدوجہد ہوئی اس کی وراثت محاذ کو ملی اور محاذ اسی تحریک کا امین ہے۔ ۹ر اگست ۱۹۵۳ء کو ریاست میں "قتل جمہوریت" کا سانحہ عمل میں لایا گیا۔ اس سانحہ کی دوسری سالگرہ تھی جب ہم نے محاذ رائے شماری کی بنیاد ڈالی۔ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ آزادانہ رائے شماری سے کرنے کا اعلان اولاً وزیر اعظم جواہر لال نہرو نے کیا تھا۔ اور دنیا میں اس حق کی آواز ہماری جانب سے پہنچائی تھی اس نے عالمی رائے عامہ کو للکارا کہ "بندوق اور تلوار سے نہیں، بلکہ کشمیر کا مستقبل صرف منصفانہ رائے شماری سے طے ہوگا"۔ رفتہ رفتہ جب ہندوستان اس وعدے سے

ہٹنے لگا۔ اور کشمیری عوام نے اپنے مستقبل کو مخدوش دیکھا تو ہم نے محاذ رائے شماری کو تشکیل دیکر ہندوستان کو ایفائے وعدہ کی یاد دلائی۔ مگر ۹ر اگست ۱۹۵۳ء کو جبر و تشدد، وعدہ شکنی اور جمہوریت اور آئین کی برہنہ خلاف ورزی کا آغاز ہو چکا تھا۔ اسلئے طاغوتی طاقتیں محاذ کے جنم لینے کے چند ہفتے بعد ہی ہم پر ٹوٹ پڑیں اور اسکے عہدہ داروں اور ہمدردوں کو زنداں میں ٹھونس دیا۔ اسطرح حقیقتاً محاذ کی پیدائش جیلوں، جھونپڑیوں، بازاروں اور انٹروگیشن سنٹروں میں ہوئی۔ اور سلاخوں کے پیچھے اور سنگینوں کے سایہ میں پلا اور بڑھا۔ ہماری تنظیم کو ہی یہ امتیاز حاصل ہے کہ محلوں میں نہیں، اقتدار کی کرسیوں پر نہیں ... سرمایہ کی فراوانی میں نہیں ... بلکہ زندانوں، فوج اور پولیس کے تشدد میں اور انٹروگیشن سنٹروں کے اخلاق سوز مظالم میں ابھری نکھری اور پروان چڑھی۔

محترم حضرات! ۱۹۵۶ء اکتوبر میں مجھے رہا کیا گیا۔ لیکن چھ سات دن کے بعد پھر گرفتار کیا گیا۔ اور میرے ساتھ کئی رفیق سر نو سپرد زندان ہوئے۔ ۹ر اگست ۱۹۵۳ء سے شیر کشمیر مسلسل زندان میں رہے۔ ۱۹۵۸ء میں شیر کشمیر اور محاذ کے اکابرین

کے خلاف "کشمیر سازش کیس" چلایا گیا۔ جس پہ کروڑوں روپیہ صرف کرنے کے بعد ۸ر اپریل ۱۹۶۴ء کو مقدمہ واپس لیا گیا۔ رسوائے عالم "حضرت بل سازش کیس" چلا کر شیر کشمیر کے سینکڑوں ہمدرد ہمارے ہمسفر اور دیگر معززین ریاست اس میں پھنسائے گئے۔ جن پر مذموم الزامات عائد کئے گئے۔ بالآخر وہ مقدمہ بھی اپنی موت آپ مرا۔ ان مقدمات کے ساتھ ساتھ شیر کشمیر اور محاذ رائے شماری کے ہزاروں ہمدردوں کو ریاست کے اکناف و اطراف میں سینکڑوں جھوٹے اور فرضی مقدمات میں ماخوذ کیا گیا اور تھانوں میں تشدد کا نشانہ بنایا گیا تاکہ حق کی آواز دبے۔

۵ر فروری ۱۹۶۵ء کو شیر کشمیر محترمہ بیگم شیر کشمیر کے ہمراہ میں سفر حج پر روانہ ہوا۔ لندن میں خبر ملی کہ محاذ کے سینکڑوں کارکن اور عہدہ دار سرینگر جیلوں میں ٹھونس دئے گئے۔ مدینہ منورہ پہنچکر ہمارے پاسپورٹ کی میعاد ختم کردی گئی۔ اور ہمیں واپس وطن لوٹنے کا حکم ملا۔ حج کے رسوم و فرائض پورا کرنے کے بغیر ہم وطن واپس لوٹے۔ لیکن ۸ر مئی ۱۹۶۵ء کو پالم آئیر پورٹ پہ پہنچتے ہی ہمیں وارنٹ موصول ہوئے کہ ریاست

میں ہمارا داخلہ بند کیا گیا ہے اور وطن سے ہزاروں میل دور اوٹا کمنڈ میں نظر بند کیا گیا۔ مجھے اور شیر کشمیر کو وہاں دو ڈھائی مہینے رکھا گیا۔ اور بیماری کی وجہ سے مجھے تو داخل ہسپتال کیا گیا۔ اور شیر کشمیر کو چند سو میل اور دور لے جاکر کوڈی کنال (مدراس) میں نظر بند کیا گیا۔ نظر بندی کی اس طویل رات کی صبح دسمبر ۱۹۶۷ء اور جنوری ۱۹۶۸ء کو طلوع ہوئی۔ اس وقت بھی محاذ رائے شماری کے سینکڑوں کارکن یا تو جیلوں میں بند تھے یا انٹروگیشن سنٹروں میں، یا مقدمات میں ماخوذ تھے۔ تاکہ ان کی کمر ہمت میں خم آجائے۔

۱۹۶۹ء میں ہم نے ایک اور "جرم" کیا۔ ہم نے اعلان کیا کہ وادی بھر کیلئے پنچایتوں کے انتخاب میں محاذ حصہ لیگا نتیجہ ہمارے لئے متوقع تو تھا لیکن سرکاری ایوان میں پہنچا یعنی انتخاب کے نتائج نے زلزلہ پیدا کیا۔ ووٹ شماری کھلے عام ہوئی اور محاذی امیدواروں کے حق میں کم سے کم ۹۸ فیصدی ووٹ پڑے۔ چار دن کے بعد جب سرکاری اعلان ہوا۔ تو نتیجہ بالکل برعکس دکھایا گیا۔ یہ ہاتھ کی صفائی برسر اقتدار پارٹی کے اہل کاروں کا معمول بن گیا ہے۔ مفاد خصوصی کو

نہیں۔ ماخوذ ملزمان کا قصور صرف اتنا تھا کہ انہیں شیخ صاحب
کے ساتھ اور انکے بتائے ہوئے سنہری اصول "سرداری عوام
کا حق ہے" کے ساتھ غیر متزلزل عقیدت تھی۔ وہ ہمارے ساتھی
غریب اور مفلس عوام ہی تھے جنہیں یہ شرف حاصل تھا کہ وہ
حق اور آوازِ حق کی علامت یعنی شیر کشمیر کے ساتھ وابستہ
رہے۔ میں اس سے زیادہ نہیں کہتا۔ نکتہ چین احباب اپنا
جواب اس ناقابل تردید تواریخ سے خود حاصل کریں۔

حضرات! میں نے اوپر کے حصہ میں محاذ کی پیدائش
اور تاریخ بیان کرتے ہوئے واضح کرنے کی کوشش کی ہے
کہ محاذ رائے شماری فوج اور پولیس کی سنگینوں کے سایہ
میں پیدا ہوا۔ اس نے جھونپڑیوں اور زندانوں میں جنم لیا۔
اور برابر ۷۲ء تک پُر آشوب اور پُر خطر دور سے گذرا۔
حضرت شیر کشمیر کی قیادت میں ستم پر ستم برداشت کئے اور
اس کو فنا کرنے کے لئے ہند سے آیا ہوا ہر حربہ استعمال کیا گیا۔
نیا طلسم یعنی لالچ دیکر اسکی صفوں میں کمزوری اور انتشار
پیدا کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔ مگر شکر ہے خدائے کائنات
کا کہ محاذ سے وابستہ لاکھوں عوام کا اپنے نصب العین پر

غیر متزلزل یقین قائم رہا اور مخالف اپنے منصوبوں میں
ناکام رہے۔ ۱۹۵۳ء کے بعد برسر اقتدار لائی گئی حکومت
اور مفاد خصوصی میں پلے ہوئے حضرات پر جب ایک سرسری
نظر ڈالی جاتی ہے تو اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ محاذ کا
معمولی رکن بھی اگر دام فریب میں آجاتا تو وہ بھی عہدوں
اور ناجائز مفاد سے "فیضیاب" ہو سکتا تھا۔ مگر انہوں نے
ذاتی مفاد کو ٹھکرایا۔ زندان کو ترجیح دی بحیثیت مجموعی
حکم الٰہی "وتواصو بالحق وتواصو بالصبر" کی اپنے
عمل سے تعبیر پیش کرتے رہے۔ ہزاروں کارکن ایسے ہیں
جو نانِ شبینہ تک کو محتاج ہیں اور جن کے کم سن بچے مستورات
یا عمر رسیدہ والدین بھوک سے بلکتے رہے۔ عذاب میں
تڑپتے رہے۔ لیکن آوازِ حق کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ان کا
"جاء الحق وزھق الباطل" کے ارشاد ربانی پر مستحکم
اور کامل اعتقاد تھا۔

مکمل کیے گئے ۔ تب سیکورٹی آف سٹیٹ بحال ہوئی ۔ دنیا کی آنکھوں میں ریاست کے ہر انتخاب کے موقعہ پر اسی طرح دھول جھونکی گئی ۔

رفیقانِ عزیز ! ابتداء سے آج تک جن مصائب سے محاذ رائے شماری گذرا ہے ۔ مختصراً میں نے اُن کا ذکر کیا ۔ مجھے بجا طور اس پر فخر ہے کہ باطل کے سامنے آپ کی گردن خم نہ ہوئی ۔ آپ نے افلاس، غربت اور فاقہ کشی برداشت کی ۔ مگر حق کا دامن نہ چھوڑا ۔ آپ ہر قسم کے مفاد حاصل کر سکتے تھے ۔ اگر باطل کے ساتھ سودا بازی کرتے ۔ آپ نے ہر آرام و آسائش کو خیرباد کہا ۔ حتیٰ کہ آپ کے بچے تعلیم و تربیت تک سے محروم رہے ۔ لیکن قومی مفاد ہی کو آپ نے عظیم سمجھا ۔ آپ کی واحد جماعت ہے ۔ جو ہر کڑی آزمائیشوں اور امتحانات میں پوری اتری ۔ اور شیر کشمیر کی بتائی ہوئی قدروں کی مشعل کو روشن رکھا ۔ جبکہ ان کو چودہ سال کی طویل محبوسیت سے دانستہ طور عوام سے دور رکھا گیا ۔ ان ہی اوصاف کی وجہ سے آپ کو شیر کشمیر کی سربراہی حاصل ہے ۔ جس پر ہم سب فخر کرتے ہیں ۔ جو دوست نکتہ چینی کرتے ہیں کہ جناب شیر کشمیر اپنی سربراہی اور سرپرستی محاذ رائے شماری ہی تک کیوں محدود رکھتے ہیں

اُن کیلئے اوپر کی سطور میں مسکت جواب موجود ہے ۔ ۹ اگست ۱۹۵۳ء کو جب شیر کشمیر کو فوجی قوت سے وزارت عظمیٰ سے ہٹایا گیا اور ہزارہا انسانوں کی آواز کو گولیوں سے خاموش کیا گیا ۔ جب بربریت کا دور دورہ تھا ۔ جب سٹین گن اور بیرن گنوں سے قتل عام کیا گیا ۔ اس وقت شیر کشمیر کی آواز حق کو کس نے بلند رکھا ؟ جب ظلم و جبر کے اُس وحشیانہ دور میں کسی کو اُف کرنے کی جرأت نہ تھی ۔ اس وقت اقتدار سنبھالی ہوئی سرکار کو کس نے للکارا ؟ جب شرمناک سازش کے تحت کشمیر کے پہلے منتخب وزیر اعظم کو جیل میں ڈالا گیا اسوقت وہ کون جیالے فرزند تھے جو ان کے ہمراہ گئے ؟ جب شیر کشمیر کی اہلیہ اور انکے بچے جائے پناہ سے محروم کئے گئے ۔ اس وقت کے حکمرانوں کو کس نے مطعون کیا ؟ شیر کشمیر کی آواز کو زندہ رکھنے کے لئے مہینوں اور برسوں انٹروگیشن سینٹر میں مظالم کس نے سہے ؟ وقت کے حکمرانوں کی پیشکش عہدے، ٹھیکے اور دولت کس نے ٹھکرائے ؟ رسوائے عالم مقدمات "کشمیر سازش کیس" خضر نبل قتل کیس" اور دیگر سینکڑوں مقدمات میں ماخوذ کون تھے ؟ جن مقدمات کے پیچھے دراصل سیاسی اغراض کارفرما

مصائب و آلام کا نشانہ بنا ڈالی ہیں۔ ایسے قوانین کے نفاذ سے یہاں کے عوام پر سنگینوں سے حکومت کرنا مقصود ہے۔

ریاست میں طالب علموں اور نوجوانوں کا مسئلہ بھی پریشان کن ہے اور پیچیدگیاں اختیار کرتا جا رہا ہے۔ میں نے سنہ ۱۹۵۳ء کے بعد برسر اقتدار آئے ہوئے "رہنماؤں" سے بار بار کہا تھا کہ یہ مسئلہ پوچھ گچھ مراکز، جیلوں اور زندانوں میں حل نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ طریقے نوآبادیاتی نظاموں کی وراثت ہیں۔ نئے تقاضوں اور نئی آب و ہوا میں ایسے طریقوں کو خیرباد کہنا اور ایک ہمدردانہ نفسیاتی طریقہ اپنانا چاہیے۔ طالب علموں کے مسائل کو سمجھنا چاہیے۔ طالب علم تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اپنے مستقبل کو تاریک دیکھتے ہیں۔ سوسائٹی میں اپنا صحت مندانہ مقام نہیں پاتے اور زندگی کے میدان میں اپنے لئے کسی تعمیری رول کی جگہ نہیں دیکھتے۔ آپ اُن پر خودساختہ مقدمہ چلاتے ہیں۔ جیل کی کوٹھریوں میں ٹھونستے ہیں اور انٹروگیشن سینٹروں میں ناقابل بیان عذاب و آلام کا ہدف بناتے ہیں۔ یہ عمل ایک معصوم طالب علم کو

(عادی مجرم) HARDENED CRIMINAL بنائے گا۔ ایسی حرکت نسل کشی سے کم نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جو طلباء آلام کے شکار ہوتے ہیں ان میں اکثر محب الوطن ہیں۔ ایسے جذبے کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔ استادوں کو ایسی حرکت سے اجتناب کرنا چاہئے۔ جس سے تعلیمی اداروں میں پارٹی بازی اور تفرقہ بازی کو تقویت ملے۔

یونیورسٹی اور کالجوں میں پارٹی بازی یا سیاسی اغراض کے پیش نظر طلباء میں مراعات تقسیم نہیں ہونا چاہئیں۔ نصاب تعلیم ایسا ہو کہ تحصیل علم و تربیت کے بعد ایک طالب علم بیرونی دنیا میں اپنے آپ کو ایک مفید و موثر رول ادا کرنے کے قابل پائے۔ غرض طلباء کے تمام مسائل کے ساتھ مشفقانہ اور ہمدردانہ اپروچ ہونا چاہئے۔ تاکہ وہ انسان بنیں اور بگڑنے نہ پائیں۔ علاج نفسیاتی ہے تعزیری نہیں۔ میں تو یہ عرضداشت کروں گا کہ اُن کے خلاف تمام مقدمات واپس لئے جائیں اور نظربندوں کو رہا کیا جائے۔ اور اس بارے میں ایک نیا باب کھولا جائے تاکہ ایک صحت مند سوسائٹی کی بنیاد قائم ہو سکے۔

حضرات سامعین! ابتداء سے ہم ہی ریاست میں ایسے

میں مندوبین حضرات اور اُن کے پیچھے محاذ سے وابستہ عوام کو اتحاد و اتفاق کی تلقین کرتا ہوں۔ اس مرحلہ پر انتشار اور تفریق ہمارے لئے مُہلک ہوگی۔ اور تفرقہ ملک و ملت کے لئے بربادی کی وجہ بن جائے گا۔ ہمارا فرضِ اولین ہے، کہ آنے والی نسلوں کے الزام سے بچیں۔ محاذ کو مضبوط بنائیں، اور اس کے پروگرام کے لئے اپنی مثال سے یکجہتی اور اتحاد فکر و عمل پیدا کریں۔ تاکہ قوم کو عزت و آبرو کا مقام حاصل ہو۔ دلائل سے مخالفین کو اپنا نقطۂ نگاہ سمجھائیں اور مخالفت کا دائرہ یا تو بالکل ختم کردیں یا کم از کم بہت تنگ کردیں۔ یہ مقصد دلائلِ حسنہ، تبلیغ اور نیک کردار سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ خدائے برتر توفیق دے۔ امین۔ "وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ"۔

مجھے یقین ہے کہ مجھے آپ کا تعاون اور خلوصِ عقیدت برابر حاصل رہیگا

بہت بہت شکریہ کے ساتھ

آپ کا خادم

مرزا محمد افضل بیگ صدر جموں و کشمیر محاذ رائے شماری

بمقام سرینگر ۵ جولائی سنہ ۱۹۷۲ء

شائع کردہ:۔

شیخ غلام محمد بھدرواہی

جنرل سیکرٹری آل جموں و کشمیر محاذ رائے شماری

مجاہد منزل سرینگر

نیو کشمیر پریس سرینگر